ڈاکٹر ثاقب ریاض*

مولانا ظفر علی خان کی سیاسی، ادبی اور صحافتی خدمات

Abstract: *Zafar Ali Khan was a great writer, poet, intellectual, speaker, scholar and a great journalist and political leader of the first half of the 20th century. He was a charismatic personality of his time with tremendous qualities at the same time. He raised his strong voice against British Imperialism and used his journalism and poetry to motivate the Muslims of India against British intruders. He was bestowed with countless capabilities of a true leader who could fight for the freedom of the motherland. He played a vital role in strengthening Pakistan movement through his newspaper "Zamindar". He argued for the creation of a separate homeland for the Muslims of British India and provided an ideological base for the Pakistan movement. He also wrote some literary books and translated some of very important books from English to Urdu. The paper elaborates and evaluates the historic contribution of Zafar Ali Khan against British Empire and in the creation of Pakistan. He used journalism to change the public opinion and motivate Muslims of India to stand against the British Imperialism.*

مولانا ظفر علی خان ۱۸ جنوری ۱۸۷۳ء کو ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں کوٹ مہرتھ میں پیدا ہوئے[۱]۔ آپ نے ۱۸۹۲ء میں محمڈن کالج علی گڑھ سے انٹرمیڈیٹ اور ۱۸۹۵ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا تھا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد نواب محسن الملک نے علامہ شبلی نعمانی کے مشورے پر مولانا ظفر علی خان کو ان کی خداداد صلاحیتیں کے پیش نظر اپنا سیکریٹری مقرر کیا تھا۔[۲] اسی دور میں آپ نے بعض انگریزی کتب کا شاندار علمی ترجمہ کیا تھا۔ مولانا ظفر علی خان ریاست حیدر آباد دکن کے محکمہ داخلہ (ہوم آفس) میں مترجم اور بعد ازاں رجسٹرار کے عہدے پر فائز رہے تھے اور سلطنت کے ولی عہد میر عثمان علی کے اتالیق بھی مقرر ہوئے تھے۔[۳] آپ نے اپنے علمی وادبی رجحان کے پیش نظر اپنی صلاحیتوں کے اظہار کے لیے حیدر آباد (دکن) میں قیام کے دوران میں ۱۹۰۲ء میں " افسانہ " کے نام سے ایک ماہنامہ شروع کیا۔ اس سے اگلے سال "دکن ریویو" کے نام سے جریدے کی اشاعت شروع کی۔ اس میں نیم سیاسی اور سماجی موضوعات پر تحریریں شائع ہوتی تھیں۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ اپنے آبائی وطن کرم آباد، متصل وزیر آباد (ضلع گوجرانوالہ) لوٹ آئے۔ ۱۹۰۳ء میں آپ کے والد گرامی مولانا سراج الدین کرم آباد سے ہی "زمیندار" کے نام سے ایک ہفت روزہ اخبار شروع کر چکے تھے۔ ۱۹۰۹ء میں اپنے والد کی وفات کے بعد آپ نے زمیندار کی ادارت سنبھالی اور اس کو کرم آباد سے لاہور منتقل کر دیا۔ آپ نے جلد ہی اس کو ہفت روزہ سے

* صدر شعبہ و ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ ابلاغ عامہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

روزنامہ بنا دیا۔ لاہور اس زمانے میں ہندوستان کے ایک اہم ثقافتی، ادبی، صحافتی اور سیاسی شہر کے طور پر جانا جاتا تھا۔ اس شہر میں سیاست کے ساتھ ادب وصحافت کے میدان میں بھی سرگرمیاں عروج پر تھیں۔

ہندوستان میں صحافتی سرگرمیوں کا عروج

بیسویں صدی کا ابتدائی دور ہندوستان کی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ تب برصغیر کی محکوم قوموں میں سیاسی بیداری کی لہر پیدا ہو چکی تھی، ان میں آزادی کی امنگ جاگ چکی تھی اور انگریزی سے آزادی کے لیے سیاست وصحافت، ادب وثقافت کے میدانوں میں سینہ سپر ہو گئے۔ اسی زمانے میں پاکستان کی خالق جماعت آل انڈیا مسلم لیگ قائم ہوئی تھی۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو ڈھاکہ میں منعقدہ مسلم لیگ کے تاسیسی اجلاس میں مولانا ظفر علی خان بھی شریک ہوئے تھے اور انھوں نے صوبہ پنجاب کی نمائندگی کی تھی۔[۴] اس سے بیس سال پہلے آل انڈیا نیشنل کانگریس کے نام سے ایک بڑی سیاسی جماعت قائم ہو چکی تھی۔ بہت سے مسلم قائدین بھی اس جماعت میں شامل تھے اور ہندوؤں، سکھوں اور دوسری قوموں کے ساتھ مل انگریز راج کے خلاف مشترکہ جدوجہد کر رہے تھے لیکن اس دوران کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے جن کی وجہ سے مسلمانان برصغیر ہندوؤں سے اپنا سیاسی راستہ الگ اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ یہی زمانہ تھا جب برصغیر کی اردو صحافت ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے ایک نئے دور میں داخل ہو رہی تھی۔ مسلمانوں نے قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں اپنے لیے الگ وطن کے حصول کی غرض سے جدوجہد شروع کر دی۔ انھیں آزادی کی اس تحریک میں منظم رکھنے اور ان میں جوش وولولہ پیدا کرنے کے لیے ایسے اخبارات وجرائد کی ضرورت تھی جو ان کے سیاسی ومذہبی حقوق کے تحفظ کے لیے آواز اٹھانے کے علاوہ رائے عامہ کو ہموار کر سکیں۔

اس پُر آشوب دور میں بعض نابغہ روزگار شخصیات پیدا ہوئیں جنھوں نے اپنے زور قلم سے مسلم قوم کی رہ نمائی۔ ان کے اندر ایک نیا جوش وولولہ پیدا کیا اور آزادی کی تڑپ اور امنگ کو اجاگر کیا۔ بطل حریت مولانا محمد علی جوہر کے جاری کردہ اخبارات کامریڈ اور ہمدرد اس حوالے سے ایک تاریخی حیثیت رکھتے ہیں لیکن یہ دونوں اخبارات مولانا کی رحلت کے بعد اپنی اشاعت کا تسلسل برقرار نہ رکھ سکے۔ ان حالات میں مولانا ظفر علی خان کا روزنامہ زمیندار مسلمانوں کے حقوق کا ترجمان اور ان کے دل کی آواز بن گیا۔

پس منظر

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز میں انگریزی، فارسی، اردو اور بعض علاقائی زبانوں میں بڑی تعداد میں اخبارات شائع ہو رہے تھے۔ اس سے نصف صدی پیشتر ہندوستان کی مقامی یا دیسی صحافت کی حالت بہت پتلی تھی اور انگریز حکمرانوں نے صحافت کو مختلف پابندیوں میں جکڑ رکھا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ان سے متحدہ ہندوستان کی حکومت

چھن گئی تو انگریز حکومت نے مسلمانوں کے ملکیتی متعدد پریس بھی ضبط کر لیے۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ۱۸۵۳ء میں اردو کے پینتیس اخبارات شائع ہوتے تھے جبکہ ۱۸۵۷ء میں یہ تعداد صرف بارہ رہ گئی تھی۔ ۵؎ اس زمانے میں سرسید احمد خان نے اپنے رسائل تہذیب الاخلاق اور اخبار سائنٹفک سوسائٹی کے ذریعے ہندوستان کے مسلمانوں کو جدید تعلیم کے حصول کی طرف مائل کیا۔ سرسید احمد خان کے علاوہ مولانا عبدالحلیم شرر اور منشی نول کشور اس دور کی سنجیدہ صحافت کے نمائندہ ہیں۔ اس وقت ہندوستان کی صحافت میں مختلف شہروں سے پچ اخبارات اپنی اشاعت شروع کر چکے تھے اور اپنی مزاحیہ تحریروں اور مواد کی بدولت یہ عوامی حلقوں میں مقبولیت حاصل کر رہے تھے، ان میں لکھنؤ سے شائع ہونے والا "اودھ پنچ" زیادہ مشہور تھا۔ ان کا مزاح اعلیٰ ادبی ذوق کا حامل ہوتا تھا لیکن کبھی کبھار یہ پھکڑپن پر اتر آتے تھے۔ انیسویں صدی کے نصف آخر کے نمایاں اخبارات میں احسن الاخبار، شمس الاخبار، رفیق ہندی، منشور ہندی، پنجابی اخبار لاہور، قاسم الاخبار اور مہذب لکھنؤ شامل تھے۔ اخبار عام کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی اور اسے جدید صحافت کا بانی قرار دیا جانے لگا۔ ۶؎

بیسویں صدی کا آغاز ایک ایسے وقت میں ہوا جب برصغیر کے مسلمان انگریزی سے آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے۔ اس دور کو صحافت کا انقلابی دور کہا جاتا ہے۔ ۷؎ زمیندار صحافت کے اس انقلابی دور کا ایک درخشندہ ستارہ ہے جس کے بارے میں ایس ایم شاہد نے لکھا ہے:

> "زمیندار کا ملی امنگوں کے ترجمان کی حیثیت سے اجراء ہوا۔ اسے اخبار کی بجائے صحافت کا منفرد دبستان کہا جائے تو درست ہوگا۔ دبستان کے سالار مولانا ظفر علی خان نے اردو صحافت میں قوس قزح کے رنگوں سے زیادہ خوب صورتی پیدا کی کیونکہ ان کا جذبہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر پڑنے والی برف سے زیادہ پاکیزہ اور چاندنی سے زیادہ شفاف تھا"۔ ۸؎

ظفر علی خان بہ حیثیت مترجم

مولانا ظفر علی خان اردو کے بہترین شاعر، ادیب اور مدیر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین مترجم بھی تھے۔ انھیں ترجمے میں یدِطولیٰ حاصل تھا وہ عربی، فارسی اور انگریزی کے علاوہ مقامی زبانوں پر دسترس رکھتے تھے۔ آپ نے علمی انگریزی کتب کا خوب صورت میں انداز میں ترجمہ کیا انھیں سلیس اور رواں نثر میں اردو کے قالب میں ڈھالا۔ آپ نے ابتدا میں مارتھر بالفور (Marthor Balfore) کے مضامین اور ڈاکٹر جان ولیم ڈریپر کی مشہور زمانہ کتاب "Mystry of the conflict between Religion and Scinence" کا اردو ترجمہ "معرکہ مذہب وسائنس" کے نام سے کیا۔ وائسرائے ہند جارج نیتھنئیل کرزن (لارڈ کرزن) کی کتاب Persia and the Persian Question کا ترجمہ "خیابان فارس" کے نام سے کیا۔ جارج ولیم آرتھر کی کتاب Mysteries of the Court of London کا ترجمہ "اسرار لندن" کے نام سے کیا۔ مولانا نے روڈی اور کپلی کی کتاب The Jungle Book کو "

جنگل میں منگل" کے نام سے اردو قالب میں ڈھالا۔ اس کے علاوہ آپ نے The people of the Mist نامی ناول کا ترجمہ سیر ظلمات کے نام سے کیا۔ آپ کچھ عرصہ آصف جاہ اور میر محبوب علی کے زیر انتظام ادارے دارالترجمہ میں بھی ملازم رہے۔ آپ نے اپنے عہد شباب کا ایک بڑا حصہ حیدرآباد دکن جیسے علمی اور ادبی شہر میں گزارہ اور اس شہر کے ماحول نے آپ کی خداداد صلاحیتوں کی مزید جلا بخشی۔ مولانا قادرالکلام شاعر اور بے مثل انشا پرداز ہونے کے علاوہ ایک اچھے ڈراما نگار بھی تھے۔ آپ نے جاپان اور روس کی جنگ کے تناظر میں ایک ڈراما (اوپرا) لکھا۔ اس نے ہندوستان میں انگریز راج کو سمجھنے میں اہم کردار ادا کیا۔

مولانا ظفر علی خان کا صحافیانہ کردار

پروفیسر فرانسیس رابنسن نے لکھا ہے کہ "صحافت الفاظ کے استعمال کا ایسا ذریعہ جو لوگوں کے خیالات اور سوچ کو تبدیل کر دیتا ہے"۔۹؎ مولانا نے صحافت کو ایک مشن کے طور پر اپنایا اور عوام کی ایک بڑی تعداد کو متاثر کیا۔ انھیں بعض عوامل کی بنا پر حیدر آباد دکن کو خیرباد کہنا پڑا اور آپ کرم آباد ،وزیر آباد واپس آگئے۔ اپنے والد مولوی سراج الدین احمد کے جاری کردہ اخبار زمیندار کی ادارت سنبھالی۔ آپ کے والد کچھ عرصہ قبل انتقال کر گئے تھے۔ اخبار کی ادارت سنبھالنے کے بعد آپ نے اس میں ایک نئی جان ڈال دی۔ آپ کے زیر ادارت زمیندار کا پہلا شمارہ یکم جنوری ۱۹۱۰ء کو شائع ہوا تھا۔ پھر آپ نے ایک سال کے بعد اپنے والد کے دیرینہ دوست چودھری شہاب الدین کے مشورے پر زمیندار کو لاہور منتقل کر دیا۔ لاہور سے اشاعت کے بعد زمیندار نے اسلامی رنگ اختیار کر لیا۔ اس کی بلند پایہ تحریروں اور حریت کیش پالیسی کی وجہ سے علمی ،ادبی اور سیاسی حلقوں میں ایک ہلچل پیدا ہوگئی۔ تحریک آزادی کے عظیم رہ نما، ادیب اور شاعر مولانا حسرت موہانی نے اپنے رسالے میں اس حوالے سے یہ استقبالیہ کلمات لکھے:

> "یکم مئی ۱۹۱۱ء سے اخبار زمیندار کے بجائے لاہور سے شروع ہونے لگا ہے۔ یہ اخبار بڑی تقطیع کے ۱۲ صفحوں پر مہینے میں چار بار شائع ہوتا ہے۔ اس کے ایڈیٹر اردو زبان کے مشہور انشاء پرداز ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لٹریچر کے لحاظ سے ہندوستان کا کوئی اخبار اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اخباری حیثیت سے بھی اس کی خوبی میں کلام نہیں۔ ہم ناظرین اردوئے معلی سے خریداری کی سفارش کرتے ہیں"۔۱۰؎

۱۹۱۳ء میں طرابلس کی جنگ کے دوران میں ظفر علی خان نے انگلستان اور ترکی کا سفر کیا اور ان ممالک میں برصغیر کے مسلمانوں کی ترجمانی کی۔ ستمبر ۱۹۱۴ء میں وطن واپس آئے تو آپ کے استقبال میں بہت سی تقریبات منعقد کی گئیں۔ اس دوران میں زمیندار ہفت روزہ سے روزانہ اخبار کی شکل میں شائع ہونے لگا۔ مولانا کی اخبار میں کاٹ دار تحریریں شائع ہوتی تھیں۔ اخبار نے حالات حاضرہ پر برجستہ اور فی البدیہ شاعری اور قطعات کی اشاعت کی روایت کا آغاز کیا۔ مولانا ظفر علی خان ایک انقلابی شاعر ،ادیب ،صحافی اور سیاسی رہ نما بن کر ابھرے۔ آپ کی قومی زندگی کا ایک بھرپور دور شروع ہوا جس نے آگے چل کر مسلمانان برصغیر کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ آپ نے اپنی نظموں اداریوں اور مضامین کے ذریعے برصغیر کے مسلمانوں میں بیداری کی نئی لہر پیدا کر دی ،اپنی سوئی ہوئی قوم کو نہ صرف جگایا بلکہ

جھنجھوڑا اور انگریزوں حکمرانوں سے آزادی حاصل کرنے کے لیے کمربستہ کیا۔ یہ وہ دور تھا جب زمیندار اخبار کے صفحات خواص کے بجائے عوام کے لیے مختص ہوگئے۔ بہت جلد یہ اخبار مسلمانان برصغیر کے دلوں کی آواز بن گیا۔ مچھلی بازار کان پور کی مسجد کی شہادت کا واقعہ ہو یا مسجد شہید گنج کی تحریک، تحریک خلافت ہو یا تحفظ ناموس رسالت کی تحریک، ظفر علی خان ہر مرحلے پر پیش پیش رہے اور برصغیر کے مسلمانوں کی بھرپور نمائندگی کی۔

مولانا ظفر علی خان بطور سیاسی راہ نما

مولانا ظفر علی خان نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز انڈین نیشنل کانگریس سے کیا تھا لیکن وہ جلد ہی کانگریسی قیادت کے ارادوں کو بھانپ کر اس سے الگ ہوگئے۔ پھر انھوں نے مسجد احرار اسلام میں شمولیت اختیار کی۔ اس جماعت کے ساتھ بھی زیادہ دیر نہ چل سکے اور ''مجلس اتحاد ملت'' کے نام سے اپنی ایک جماعت قائم کرلی۔ بعد ازاں قائد اعظم محمد علی جناح کی دعوت پر آل انڈیا مسلم لیگ میں شامل ہوگئے اور اپنی جماعت کو اس میں ضم کردیا۔ آپ نے دوبار انتخابات میں حصہ لیا اور مرکزی اسمبلی میں پہنچ کر مسلمانوں کی نمائندگی کا حق ادا کیا۔ صدائے حریت بلند کرنے کی پاداش میں آپ کو کئی بار قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ مولانا کا ایک یہ بھی اعزاز ہے کہ آپ نے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں ہونے والے مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس میں قرارداد لاہور کا فی البدیہ اردو ترجمہ کیا تھا۔ ۱۱ اسی قرارداد کو ہندو پریس نے قرارداد پاکستان کا نام دیا تھا اور بعد میں یہ اسی نام سے موسوم ہوئی تھی۔

اس وقت زمیندار اخبار مقبولیت اور شہرت کی بلندیوں پر پہنچ چکا تھا اور برصغیر کے مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن بن چکا تھا۔ مائیکل ایڈوائر پنجاب کا گورنر بنا تو اس نے مولانا ظفر علی خان اور ان کے اخبار کے خلاف کارروائیوں کا سلسلہ تیز کردیا۔ حکومت نے زمیندار سے اشاعت کے عوض ضمانت طلب کرلی۔ لوگوں کی زمیندار سے نظریاتی اور قلبی وابستگی کا یہ عالم تھا کہ حکومت دس ہزار روپے کا زرِ ضمانت مانگتی تو لوگ سورج غروب ہونے سے پہلے یہ رقم جمع کرکے اخبار کے دفتر میں پہنچا دیتے تھے۔ ۱۲

زمیندار کے معاصرین بھی اس کی عوامی مقبولیت اور رائے عامہ کو ہموار کرنے میں اس کے کردار کے معترف تھے۔ بطل حریت مولانا محمد علی جوہر نے ۱۹۱۲ء میں اخبار اور مولانا ظفر علی خان کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا تھا:

> ''زمیندار اس لیے عروج کو پہنچا کہ ایک ایسے شخص نے اس کی ادارت سنبھالی ہے جو قابل ہے، علی گڑھ کا گریجویٹ ہے۔ ہندوستان میں ایک سے زیادہ صوبوں میں نظم و نسق کا تجربہ رکھتا ہے۔ جدید تمدن اور سیاست سے آگاہ ہے۔ انگریزی کی اعلیٰ قابلیت کا حامل ہے۔ اردو نثر میں ایک درخشاں اسلوب کا مالک ہے اور شعر و شاعری پر اس کو کامل عبور ہے۔ ایسے جامع الصفات اس سے پہلے اس پیشے میں داخل نہیں ہوئے''۔ ۱۳

رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد میں ایم ایس، ابلاغ عامہ کے طالب علم امتیاز احمد وریاہ نے اپنے تحقیقی مقالے میں لکھا ہے:

"مولانا ظفر علی خان کو بابائے صحافت اس لیے کہا جاتا ہے کہ جیسی آن، بان اور شان صحافت کو انھوں نے دی اور کسی نے نہیں دی۔ انھوں نے اس پیشے کی جس طرح کی پرورش کی، اس طرح کسی اور نے نہیں کی۔ ان سے پہلے صحافیوں کو منشی کہا اور سمجھا جاتا تھا۔ مولانا ظفر علی خان نے مسلمانان برصغیر کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے اپنی زبان اور قلم کو استعمال کیا۔ مولانا کی صحافت کو جنگجو صحافت کہا جاتا ہے"۔۱۴

بھارتی مورخ روندر کمار نے اپنی کتاب میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مولانا ظفر علی خان نے ہندوستان کے ان عوام کو اپنی تحریروں کے ذریعے متحرک کیا، جو سیاسی معاملات سے لاتعلق تھے۔ انھوں نے لاہور کے عوام کو متحرک کیا۔۱۵

مولانا ظفر علی خان کی جرأت مند صحافت کی دولت زمیندار سامراج کے خلاف جدوجہد کی مضبوط آواز بن گیا۔ آپ نے اپنی صحافت کے ذریعے انگریز سامراج کی چیرہ دستیوں کے خلاف آواز بلند کی اور اپنی صحافت کو مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے لیے وقف کر دیا۔ آپ نے ہندوستان کے مسلمانوں میں نیا جوش وجذبہ پیدا کر کے انھیں انگریز استعمار کے خلاف مضبوط دیوار بنا دیا۔ آپ نے اردو صحافت میں جدت پیدا کی اور اس میں ایک نئی جہت متعارف کرائی۔ ان کے اخبار کے جذباتی اسلوب، ہجو نگاری اور مزاحیہ طنز نے اردو صحافت کو ایک نیا رُخ دیا۔ برطانوی حکومت کے دور میں لاہور میں مسجد شہید گنج کا تنازعہ شروع ہوا۔ یہ مسجد شاہجہاں کے بیٹے نے تعمیر کرائی تھی۔ اس کو سکھوں نے گردوارے میں تبدیل کر دیا جس کے باعث پنجاب کے مسلمانوں میں غم وغصے کی لہر دوڑ گئی۔ مسلمانوں نے اس مسجد کی بازیابی کے لیے ایک تحریک شروع کی اور لاہور ریلوے اسٹیشن کے بالمقابل نولکھا کے علاقے میں واقع اس مسجد کی جگہ کے قریب مسلمانوں نے احتجاج شروع کیا برطانوی انتظامیہ نے اس مسئلے کو سلجھانے کے بجائے مظاہرین پر براہ راست فائرنگ کر دی جس کے نتیجے میں متعدد مسلمان شہید ہوگئے۔ زمیندار نے اس مسئلے کو نمایاں جگہ دی اور سامراجی حکومت پر کڑی تنقید کی۔ اس تحریک کے دوران پولیس اور فوج کے مظاہرین پر وحشیانہ تشدد اور براہ راست گولیاں چلانے کے واقعے کے بعد برصغیر کے مسلمانوں میں حکومت کے خلاف شدید نفرت پیدا ہوگئی۔ مولانا ظفر علی خان نے مجلس احرار اسلام اور بعض علماء پر بھی تنقید کی جنھوں نے مسجد شہید گنج کے معاملے میں مصلحت پسندی سے کام لیا تھا۔

امریکا کی نارتھ کیرولینا یونیورسٹی میں تاریخ کے پروفیسر ڈیوڈ گلمارٹن نے اپنے تحقیقی مقالے میں لکھا ہے کہ:

"ظفر علی خان نے بطور صحافی ایک رجحان متعارف کرایا۔ انھوں نے ہندوؤں اور عیسائیوں کے خلاف سخت پالیسی اپنائی۔ یہی وجہ ہے کہ بیسویں صدی کی پہلی دو دہائیوں کے دوران میں لاہور کی گلیوں اور

بازاروں میں زمیندار اخبار کو ہندوؤں کا بیڑا غرق کرنے والا اخبار سمجھا جاتا تھا۔" امریکی پروفیسر نے مزید لکھا ہے کہ مولانا ظفر علی خان نے مسلمان ممالک اور بالخصوص ترکی سے متعلق یورپی اقوام کی منافقانہ پالیسیوں کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔۱۶

مولانا ظفر علی خان کی سیاست اور صحافت نے مسلم نوجوانوں کی اکثریت کو متاثر کیا۔ تحریک خلاف اور عدم تعاون کی تحریک کے زمانے اخبار نے انگریز حکومت کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کیا اور مزدور طبقے کی بڑی تعداد بھی اس تحریک میں شامل ہوگئی۔ اخبار کے اداریوں، مضامین اور خبروں نے دیہات اور شہروں میں رہنے والے مسلمانوں کی بڑی تعداد کو متاثر کیا۔ امرتسر کے جلیانوالہ باغ میں اجتماع پر انگریز فوجیوں کی فائرنگ کے واقعے نے انگریز حکمرانوں کے خلاف جذبات کو مزید مشتعل کر دیا۔ اس تناظر میں ظفر علی خان کی تحریروں اور تقریروں نے مسلم رائے عامہ کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ امریکی پروفیسر ڈیوڈ گلمارٹن مزید لکھتے ہیں:

> Muslims eventually decided to opt printing as necessary weapon in defense of Islam. They have their own distinctive objectives to use printing to preserve the apparatus of their faith and in a context in which Muslims had accepted that they were a minority, about 25 per cent, in a majority Hindu population. Their new found solution 'revival of Islam' had called for renewal and expression of Din across the region. (17)

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز اور ممتاز تاریخ دان پروفیسر ڈاکٹر ثمینہ اعوان نے مولانا ظفر علی خان کے تاریخی کردار پر تحریر کردہ اپنے مقالے میں لکھتی ہیں:

> "مولانا ظفر علی خان نے پنجاب کے شہری علاقوں میں رہنے والے مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا اور نہیں انگریز سامراج کے سامنے ڈٹ جانے اور اپنے لئے الگ ملک حاصل کرنے کے لئے تیار کیا "اور مزید واضع کیا ہے کہ "مسجد شہید گنج واقعہ کے بعد مولانا ظفر علی خان کا سیاسی کردار اور بھی اہم ہو گیا تھا اور انہوں نے انگریزوں کے خلاف پنجاب کے عوام کو متحرک کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔۱۸"

مولانا ظفر علی خان ایک ہمہ جہت شخصیت تھے۔ ان کی ذات میں بہت سی خوبیاں یکجا تھیں۔ وہ بیک وقت بہترین مقرر، بلند پایہ صحافی، شاعر اور ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک درد مند قومی رہ نما اور مصلح عالم بھی تھے۔ ان کی نعتیہ شاعری نے اردو میں نعت گوئی کے فن کو نئی جہت عطا کی اور اس کو کمال درجے پر پہنچا دیا۔ ان کی بعض نعتیں آفاقی شہرت حاصل کر چکی ہیں۔ انھوں نے انگریز سامراج کے خلاف جو نعرہ حق بلند کیا، اس کی بازگشت چار دانگ عالم میں سنی گئی۔ آپ نے برصغیر کے مسلمانوں کو ایک ولولہ تازہ دیا جس کے باعث تحریک قیام پاکستان کامیابی سے ہم کنار ہوئی اور مسلمانان برصغیر کو الگ وطن حاصل ہوا۔ قیام پاکستان کے بعد مولانا ظفر علی خان صحافت

اور سیاست میں کوئی زیادہ فعال نہیں رہے تھے اور وہ اپنی زندگی کے آخری برس خاموشی سے گزارنے کے بعد ۲۷ نومبر ۱۹۵۶ء کو جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔

حوالہ جات:

۱۔ گیلانی، ندیم الحسن (۱۹۹۴ء)، مقالہ پی ایچ ڈی، اردو صحافت پر مولانا ظفر علی خان کے اثرات، جامعہ پنجاب، لاہور، ص: ۱۷۴

۲۔ عامر، زاہد منیر، "مولانا ظفر علی خان کے تاریخی سرمائے کی حفاظت کی ضرورت"، مشمولہ روزنامہ دنیا، لاہور، ۲۲ جنوری ۲۰۱۴ء

۳۔ ایضاً

۴۔ گیلانی، ندیم الحسن، محولہ بالا، ص: ۱۸۴

۵۔ شاہد، ایس ایم (۲۰۰۵ء) تاریخ صحافت، اصول صحافت، اسلام آباد، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۵ء۔

۶۔ ایضاً

۷۔ ایضاً

۸۔ ایضاً، ص: ۳۳

۹۔ رابنسن، فرانسیس، Impact of Print Technology and Religious Change: Islam and the
کیمبرج یونیورسٹی پریس، ۱۹۹۳ء۔

۱۰۔ موہانی، حسرت مولانا، اخبار زمیندار، مشمولہ، اردوئے معلی، علی گڑھ، جلد: ۱۲، شمارہ: ۵، ص: ۱۸

۱۱۔ عامر، زاہد منیر، محولہ بالا

۱۲۔ وریاہ، امتیاز احمد، اردو صحافت میں املا کے مسائل، تحقیقی مقالہ ایم ایس، ابلاغ عامہ، جامعہ رفاہ العامیہ، اسلام آباد

۱۳۔ خورشید، عبد السلام (۱۹۸۲ء) صحافت، پاکستان وہند میں۔ لاہور: مکتبہ کارواں، کچہری روڈ۔ ص: ۱۹۰

۱۴۔ وریاہ، امتیاز احمد، محولہ بالا، ص: ۲۹

۱۵۔ رونڈر کمار (۱۹۸۳ء) Essays in the Social History of Modern India ص: ۱۸

۱۶۔ ڈیوڈ گلمارٹن، Democracy ,Nationalism and the Public مشمولہ جرنل آف ساؤتھ ایشین اسٹڈیز، جلد ۱۴، شمارہ ۱، ص: ۱۲۳

۱۷۔ ایضاً، ص: ۲۴۱

۱۸۔ ثمینہ اعوان، ڈاکٹر، "Zafar Ali khan: An Enigma or New Print Culture" جرنل آف ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان۔ جلد ۵۰، شمارہ ۱، ۲۰۱۳ء، ص: ۱۲

☆☆☆☆☆